ہشام نشبی

مسجد میں تعلیم کی روایت

اسلام کی نمایاں ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس میں وحدت کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ اللہ کی وحدت زندگی کے دنیاوی اور روحانی پہلوؤں کی وحدت اور مذہبی اور غیر مذہبی امور کی وحدت۔

علوم کی مختلف شاخوں کو ایک مربوط وحدت سمجھا جاتا تھا اور اس طرح اسلام کے اس پہلو کی اسلامی تعلیم میں عکاسی کی گئی تھی۔ چنانچہ مسجد کی تعلیم میں کوئی مضمون ممنوع نہیں تھا۔

تحصیل علم کو بھی مذہبی فریضہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ درحقیقت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ علمائے دین اور فقہاء کو مسلم معاشرے میں ہمیشہ ممتاز حیثیت کیوں حاصل رہی ہے۔

اس نقطہ نظر کے مطابق تعلیم نہ صرف علم یا سچائی کے لئے ہے، نہ یہ محض اچھا شہری بننے اور نہ روزی کمانے کے لئے۔ تعلیم ہر چیز سے اُولیٰ اور ہر چیز پر مقدم اخلاقی اور روحانی ارتقا کا ایک وسیلہ ہے۔

اخلاقی معاشرہ ہر ایسے عالم سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے جو دوسروں کو علم منتقل نہیں کرتا لوگوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنا علم منتقل کریں۔ اس طرح اس بات کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے کہ انسانی علم کا ذخیرہ محفوظ رکھا جائے گا اور اس میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوگا۔ تاریخی لحاظ سے اسلامی معاشرے کا یہ رویہ اُس جدید خیال کا پیش رو ہے جسے آج کل تعلیم کو جمہوری بنانے کا عمل کہا جاتا ہے۔

تعلیمی ادارے کے طور پر مسجد اولین اور موثر ترین ذریعہ ثابت ہوئی جس نے عرب معاشرے کی ایک

ہشام نشبی بیروت (لبنان) میں اسلامی تعلیم کے مقاصد انسٹیٹیوٹ کے ڈائریکٹر اور بیروت کی امریکی یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر ہیں۔

مرحلے سے دوسرے مرحلے میں منتقلی کو آسان بنادیا۔ پہلا مرحلہ وہ تھا جب معاشرے کی غالب خصوصیت زبانی روایت تھی اور دوسرا مرحلہ جو زیادہ ترقی یافتہ تھا، تحریری روایت پر مبنی تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا جو پیغام لائے وہ الکتاب یعنی قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کا مطالعہ فوری طور پر عمیق تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا پڑھنے لکھنے اور حساب کتاب کا بنیادی مقصد یہ تھا قرآن مجید کو سمجھا جائے، اس کی آیات کی قدر دانی ہو اور اس کی تعلیم پر عمل کیا جائے۔

اس کے باوجود زبانی روایت جو قبلِ اسلام دور سے عرب اذہان میں جڑ پکڑ چکی تھی۔ ترک نہیں کی گئی۔ اس کے برخلاف اسے بطور نظام اختیار کرکے نئے اسلامی معاشرے میں منظم طریقے سے رائج کیا گیا داستان گو، شعراء اور راوی جو اس زبانی روایت کے حامل تھے اسلام کی آمد کے بعد بھی نئے معاشرے کے ماہرین تعلیم کے شانہ بشانہ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

یہ تمام ماہرینِ تعلیم اس بات پر متفق تھے کہ اچھا حافظہ طالب علم کی انتہائی قیمتی خوبی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے مسلمان علما قرآن مجید اور ممکن ہوتا تو حدیث شریف (حضورؐ کے اقوال و افعال) کا حفظ کرنا عظیم ترین سعادت سمجھتے تھے۔

پہلے چار خلفا (رسول کریمؐ کے جانشین اور مسلمان قوم کے سربراہ) کے عہد میں اصحاب رسولؐ اپنے ہم وطنوں کے لئے اسلام کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کرنے کے لئے حضورؐ کے نقش قدم پر چلے پہلی صدی ہجری[1] میں مساجد میں تعلیمی اداروں کے قیام کے علاوہ اسلامی تعلیم میں اور کوئی نمایاں ترقی نہیں ہوئی۔

تاہم عربی زبان ابتدائی عہد میں علماء کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ مساجد میں اس کی تعلیم شروع ہوئی اور جلد ہی وہ نصاب میں ممتاز درجے پر فائز ہوگئی۔

دنیائے اسلام میں دینی بحث و مباحثہ بھی اس دور میں شروع ہوا۔ دینیات پر بحث کا پہلا حلقہ بصرہ (عراق) میں منعقد ہوا۔

---

[1] ہجری اسلامی سن ہے جو ۶۲۲ء میں اس وقت شروع ہوا جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ جا رہے۔

نویں اور دسویں صدیوں میں عظیم مسلمان قانون دان علمِ دین اور ماہر لسانیات ہوئے۔ ان ہی صدیوں میں کُتّاب قائم ہوئے جو ابتدائی تعلیم کے ادارے کے طور پر تمام دنیائے اسلام میں پھیل گئے۔ نئے اسلامی شہروں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے کُتّاب میں بھی ترقی ہوئی۔ کیوں کہ قرآن مجید کو نقل کرنے کے لئے عربی لکھنے کی قابلیت ضروری تھی۔ اس کے علاوہ تحریر عہدوں کے لئے لازمی شرط تھی۔ عام طور پر ہر کُتّاب میں ایک استاد ہوتا تھا لیکن بعض کُتّاب میں دو یا اس سے زیادہ اُستاد بھی ہوتے تھے ان میں سے ایک بہر حال علومِ قرآن کا ماہر خصوصی ہوتا تھا۔ علما کے گھر اور کاغذ کے تاجروں کی دوکانیں بھی تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال ہوتی تھیں۔

مسلمانوں کی تعلیم میں دسویں اور گیارہویں صدیوں میں بڑی ترقی ہوئی۔ جب مسجد عبادت گاہ اور قومی مرکز کے علاوہ حقیقی طور پر عوامی یونیورسٹی بھی بن گئی۔ مساجد میں قائم ہونے والے حلقے اعلا درجے کی ذہنی صلاحیتوں کے مالک ہوتے تھے، انہوں نے اعلیٰ پائے کی متعدد کتابیں تصنیف کیں۔

اس عہد میں تعلیم کے دو نئے ادارے بھی وجود میں آئے "بیت الحکمت" اور "دارالعلوم" مسجد کی طرح وہ صرف عبادت گاہیں نہیں تھیں۔ ان کی سرگرمیاں خالصتہً علمی تھیں لہذا وہ صرف مذہبی علوم سے متعلق نہیں تھیں۔ اس کے برعکس مساجد میں بھی بعض علمی کام پایۂ تکمیل کو پہنچے جو مذہبی نہیں تھے یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ اسلامی معاشرے میں دنیاوی اور دینی امور آپس میں اس طرح مربوط ہیں کہ ان کا الگ کرنا مشکل ہے۔

المنصور (۷۵۴-۷۷۵ء) یا ہارون الرشید (۷۸۶-۸۰۹ء) کے عہد میں بیت الحکمت کی بنیاد بغداد میں پڑی۔ اس کا بڑا کام ترجمہ کرنا تھا۔ المامون (۸۱۳-۸۳۳ء) کے عہد میں جو بیت الحکمت کا زریں عہد تھا وہاں کی عظیم لائبریری ایک ایسی اکیڈمی بن گئی جہاں ممتاز یونانی علماء ہندی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرتے تھے اور مختلف سائنسی مضامین کا مطالعہ اور ان پر بحث وتمحیص کرتے تھے۔

تاریخ کا پہلا مشہور "دارالعلوم" دسویں صدی عیسوی میں مصر میں قائم ہوا۔ بیت الحکمت کی نسبت دارالعلوم میں طلبہ اور استاد زیادہ ہوتے تھے۔ اور وہ ترجمہ کے بجائے ریاضی اور طب میں توجہ مرکوز رکھتے تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس وقت ریاضی میں حساب، الجبرا، ہندسہ، فلکیات اور موسیقی شامل تھے۔

بارھویں صدی میں حکومت کی سرپرستی میں کالج قائم ہوئے جو مدرسہ (عربی لفظ دَرَس سیکھنا) کے نام سے مشہور ہوئے یہ ادارے عام طور سے نظام الملک سے منسوب ہیں جس نے بغداد میں، ۱۰۶۵ اور ۱۰۶۷ء کے درمیان مدرسہ نظامیہ قائم کیا

قرونِ وسطیٰ میں طب کو فلسفے کی ایک شاخ سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کئی مسلم فلسفی مثلاً الفارابی اور ابنِ سینا اس کی طرف متوجہ ہوئے اگرچہ طب مساجد میں پڑھائی جاتی تھی لیکن طبی تعلیم اس ادارے میں پروان چڑھی جسے "بیمارستان" کہا جاتا ہے اور جو جدید تعلیمی ہسپتال کے برابر تھا۔

اگرچہ مساجد، کُتّابُ، بیت الحکمت، دارالعلوم، مدرسے اور ہسپتال عرب شہروں میں بڑے تعلیمی اداروں کا درجہ رکھتے تھے۔ لیکن علما اور کارآموزی کے نظام نے جو پیشہ ور انجمنوں اور اہلِ تصوف کے سلسلوں میں رائج تھا، تعلیمی زندگی میں اہم کردار ادا کیا۔

اسلامی نظامِ تعلیم کے دو درجے تھے، ابتدائی اور اعلیٰ درجہ۔ پانچ سے دس برس کی عمر کے بچوں کو کُتّاب ہی میں تعلیم حاصل کرنی پڑتی تھی، جہاں انھیں قرآن پڑھنا سکھایا جاتا تھا اور جس قدر قرآن مجید حفظ کر سکتے اتنا حفظ بھی کرایا جاتا تھا۔ وہ قرآن مجید کی آیات نقل کر کے لکھنا اور تھوڑا بہت حساب بھی سیکھ لیتے تھے۔ بعض اوقات اس درجے میں شاعری اور حکیمانہ اقوال بھی پڑھائے جاتے تھے۔

کُتّاب کی تعلیم کی مدت تقریباً پانچ سال تھی اس زمانے کے نظامِ تعلیم میں نہ تو تعلیم کا کوئی درمیانہ درجہ تھا نہ قبل مسجد تعلیم کا کوئی مرحلہ تھا۔ جب کوئی طالبِ علم کتاب کے بعد بھی تعلیم جاری رکھنا چاہتا تو وہ کسی مسجد کے حلقے یا مدرسے میں جاتا جہاں اُسے اعلیٰ تعلیم سے متعارف کرایا جاتا تھا۔

بیش تر یہ ہوتا کہ طالبِ علم کُتّاب چھوڑ کر کوئی پیشہ یا ہنر کا انتخاب کر کے کسی ہنر مند استاد کا کار آموز بن جاتا تھا۔ عام طور پر وہ اپنے باپ یا اپنے خاندان کے کسی فرد سے کام سیکھتا تھا

مسلمان اساتذہ بچوں اور جوانوں یا بالغوں کے طریقہ ہائے تعلیم میں بڑا فرق ملحوظ رکھتے تھے۔ کتاب کی سطح پر صرف حفظ کے طریقے کو قابلِ اعتماد سمجھا جاتا تھا ان کی دلیل یہ تھی کہ بچپن میں حافظہ قوی ہوتا ہے اس لئے اس سے پورا پورا کام لینا چاہیئے۔

قرآن مجید کے علاوہ دوسرے مضامین میں استاد کے آسان سے مشکل کی طرف بڑھنے اور تعلیم کو طلبہ کی استعداد کے مطابق بنانے کے اصول کو عام طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ ابن سینا اس بات پر زور دیتے تھے کہ

کسی خاص ملازمت یا پیشے کی تیاری سے پیش ترپچے کے مزاج اور اس کے فطری میلانات کو ملحوظ رکھنا چاہیئے

مسجد میں مسلمانوں کی تعلیم کی نمایاں ترین خصوصیت "حلقہ" کو حاصل تھی جس میں نوجوان طلبہ کی ایک جماعت استاد کے گرد ستونوں کی طرف بیٹھ کر کے بیٹھتی تھی۔ یہ رواج جو بعد میں مدرسوں میں بھی قائم رہا اور اب بھی موجود ہے ابتدائے قبلِ اسلام دور میں شروع ہوا تھا۔

شروع شروع میں اساتذہ کتاب کو دیکھے بغیر حافظے سے پڑھاتے تھے اس کے تھوڑی مدت بعد یادداشتیں استعمال ہونے لگیں اور پھر رفتہ رفتہ اولین اساتذہ کی تحریریں بعد کے اساتذہ اور طلبہ کی نصابی کتب بن گئیں اکثر یہ ہوتا کہ اساتذہ صرف کتاب پڑھ کر اس کی تشریح کرتے۔ یہی وہ طریقہ ہے جو کئی صدیوں تک مسلمانوں کی تعلیم میں جمود کا باعث بنا۔

مسجد کی تعلیم کے سلسلے میں دو مزید قابلِ ذکر باتیں بحث وتمحیص اور سوال وجواب ہیں۔ طلبہ اکثر اپنے اساتذہ سے گرما گرم بحث کرتے اور ایسی آرا کا اظہار کرتے جو اساتذہ کی آرا سے مختلف ہوتی تھیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنے اساتذہ کے خیالات کا بہت احترام کرتے تھے اسی طرح مسلمانوں کی علمی زندگی میں گفت گو اور بحث کے منضبط فن نے جنم لیا۔

اوائلِ اسلام میں مسلمان علماء احادیث جمع کرنے کے لئے دور دراز کا سفر کرتے تھے۔ کیوں کہ احادیث بعض بزرگوں کو زبانی یاد تھیں لیکن قلم بند نہیں ہوئی تھیں۔ بعد کے علما نے نادر عربی جملوں اور ترکیبوں کی تلاش میں سفر کیئے۔ اس طرح "تلاش علم" میں سفر کا رواج دوسرے علمی میدانوں تک پھیل گیا۔

ہر قسم کے علم کی اساس دین ہے اور اسے اللہ کے نام پر حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ وہ اصول ہے جو تعلم اور تعلیم میں کارفرما ہے۔ اسی اصول کے مطابق ہر دنیاوی پیشے کو دین پر منطبق کرنا ضروری ہے کیوں کہ بطور حرفِ آخر تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ کا نیک بندہ بنے۔

(پیامی، مارچ ۱۹۷۸ء)